قرآن کی رو سے، احسان اور (شاگرد — مدار) تعلیمی ماڈل [1]

سیّد شعیب عابدی، سید محمد رضا موسوی نسب

خلاصہ

انسان کی سیکھنے کی صلاحیت مختلف عوامل سے متاثر ہوتی ہے۔ قرآن کریم تجرباتی اور معروف عوامل سے بڑھ کر ان امور کی بھی نشان دہی کرتا ہے جو سیکھنے اور تعلیم، خاص طور پر روحانی مسائل کے میدان میں، اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ قرآن کریم سورۂ یوسف کی آیت ۲۲ میں واضح طور پر فرماتا ہے: "چونکہ یوسفؑ محسنین میں سے تھے؛ لہٰذا ہم نے انہیں علم و حکمت عطا کی۔" یہ تحقیق توصیفی، تجزیاتی اور استنطاقی (موضوعی تفسیر) طریقہ کار کے ذریعے احسان کا تعلیم و تربیت میں جائزہ لیتی ہے۔ تحقیق کے نتائج سے معلوم ہوتا ہے کہ جب انسان خالصتاً رضائے الٰہی کے لیے، پہلے خود نیک اور صالح انسان بنتا ہے پھر دوسرے کے ساتھ بھی نیکی اور بھلائی کرتا ہے، تو ایسے متقی انسان کا نفس الٰہی عنایات اور الہامات کے حصول کے قابل ہو جاتا ہے۔ یہ الٰہی عنایت عمومی ہے اور ہر محسن بندہ کے لیے میسر ہو سکتی ہے۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس نوعیت کا علم نہ صرف دنیاوی معاملات میں بلکہ روحانی معاملات میں بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ اس تحقیق کے نتائج سیکھنے والے کی مرکزیت والے تعلیمی ماڈل میں، بالخصوص علومِ تربیتی، اخلاق اور روحانیت کے میدان میں مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔

کلیدی الفاظ: قرآن کریم، تربیتی نفسیات، احسان، نیکی، سیکھنا، شاگرد مدار تعلیمی ماڈل

---

[1] Learner- Centered Education

مقدمہ

تعلیم و تربیت میں کامیابی بہت سے عوامل سے وابستہ ہوتی ہے، جن میں سے ایک فعال و متحرک تعلیمی طریقہ کار ہے۔ تربیتی نفسیات میں ایسے طریقے متعارف کرائے جاتے ہیں جو شاگرد۔ مدار یا "سیکھنے والے کی مرکزیت والے تعلیمی ماڈل" کے نمونے پر مبنی ہوتے ہیں، جن میں استاد کی نگرانی اور رہنمائی کے ساتھ، سیکھنے والے طالب علم کی فعّالیت (activity)، کام، تحرک وجنب وجوش پر زور دیا جاتا ہے۔

یہ ماڈل ایسے حالات، زمینہ اور علمی چیلنجز فراہم کرتا ہے جو سیکھنے والے کو متحرک کرتے ہیں اور یوں اُس کی صلاحیتوں کو نکھارنے میں مدد دیتے ہیں۔ تربیتی نفسیات، تجرباتی طریقوں کے ذریعے، تعلیم و تربیت کے اس عمل کو حقیقت میں بدلنے کی کوشش کرتی ہے۔

قرآن کریم بھی وحی پر مبتنی منبع ہے۔ اس کا مقصد انسان کی ہدایت اور تربیت ہے۔ قرآنی آیات کا مطالعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ تجرباتی اور "سیکھنے والے کی مرکزیت والے تعلیمی ماڈل" کے طریقوں سے آگے بڑھ کر، ایسے روحانی اور اخلاقی طریقے بھی موجود ہیں جو تربیت کے عمل میں راہگشا ثابت ہو سکتے ہیں۔

یہ تحقیق اسی زاویے سے احسان کے کردار کو سیکھنے کے عمل میں بیان کرے گی۔ قرآن کریم کی آیات پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن کا اصل مقصد انسان کی ہمہ جہت تربیت اور نشوونما ہے؛ ایسا عمل جو صرف معلومات کی ترسیل سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ سیکھنے والے کو خود کوشش اور عمل کے ذریعے اس مقام تک پہنچانا ہوتا ہے۔

ایک مربی لکھتے ہیں: "کیا ہم نے جنبش و عمل کی ضرورت کو محسوس کیا ہے؟ مسئلہ یہ نہیں کہ کسی نے کہا اور ہم نے سن لیا، کسی نے لکھا اور ہم نے پڑھ لیا؛ بلکہ یہ احساس خود ہمارے اندر پیدا ہونا چاہیے۔ یہ احساس آسانی سے بہت سی چیزوں کے بارے میں ہمارے اندر پیدا ہو جاتا ہے۔ ہمیں پیاس لگتی ہے، ہم پانی چاہتے ہیں اور اس کے حصول کے لیے اٹھتے ہیں، ہلتے جلتے ہیں... صرف اس بناپر کہ دوسروں نے کہا ہے: "پیاس"۔ ہمارے اٹھنے اور عمل کا سبب نہیں بنتا، اور اگر ہم چلیں بھی، تو وہ صرف تقلید ہوگی اور رکاوٹوں کے سامنے ہم پیچھے ہٹ جائیں گے۔"[۲] لہٰذا سیکھنے کے عمل میں محض تعلیم دینا کافی نہیں ہے؛ بلکہ شاگرد اور سیکھنے والے کے لیے ایسی فضا و گراونڈ مہیا کرنا بھی ضروری ہے جس میں وہ خود تحرک، جنبش اور فعّالیت کی جانب راغب ہو۔

آج کے دور میں تعلیم و تربیت میں ان طریقوں پر زور دیا جارہا ہے جو سیکھنے والے میں تخلیق (Creativity)، مسئلہ حل کرنے کی صلاحیت اور تنقیدی سوچ پیدا کریں۔ تاہم، یہ سب اچھا ہے لیکن کافی نہیں ہے۔ اگر سیکھنے والے کو اندر سے اس طرح متحرک کرنا ہے کہ اس پر علمِ الٰہی کی تجلی ہو، تو قرآنی نقطہ نظر اپنانا ناگزیر ہے تاکہ سیکھنے کے فراحسی (حسیات سے بالاتر) پہلو بھی روشن ہوں اور ایک اعلیٰ وارفع تعلیمی ماڈل سامنے آئے۔ یہ زاویۂ نظر، موجودہ تربیتی علوم میں عموماً نظرانداز کیا گیا ہے۔

---

[۲] صفای حائری، ۱۸/۷/۲۰۰۷، ص ۱۵

قرآن مجید میں مختلف حالات میں فعال سیکھنے کے طریقوں کے علاوہ، اخلاقی طریقے بھی موجود ہیں۔[3] اس تحریر میں بنیادی توجہ انہی پر مرکوز ہے۔ ان میں سے بھی صرف "احسان" کے طریقہ کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے، اور درج ذیل سوالات پر غور کیا جائے گا:

۱. احسان اور روحانی و اخلاقی طور پر سیکھنے کے درمیان کیا تعلق ہے؟

۲. وہ علم جو محسنین کو عطا ہوتا ہے، کس نوعیت کا ہوتا ہے اور کس طرح حاصل ہوتا ہے؟

اس تحقیق کا طریقہ کار

یہ موضوع ایک طرف تعلیم و تربیت سے اور دوسری طرف قرآنی مباحث سے تعلق رکھتا ہے، اس لیے یہ ایک بین الاضلاعی (Interdisciplinary) موضوع ہے۔ اس تحقیق میں توصیفی، تجزیاتی اور استنطاقی (موضوعی تفسیر) طریقے اپنائے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ، "قاعدۂ بطن گیری (آیات کی تأویل)" سے بھی استفادہ کیا گیا ہے، جس کے ذریعے زمانہ، مقام اور آیات کی ظاہری جزئیات کو عمومی خصوصیات سے الگ کرتے ہوئے ایک "قاعدہ کلیہ اور آخری مقصد" تک رسائی حاصل کی جاتی ہے۔[4]

اس تحقیق کا طریقہ "نفسیاتی اور دینی" (یعنی دینی متون کی داخلی قرائت) ہے، جس میں قرآن کریم کی "تربیتی تفسیر" اور روایات پر خصوصی زور دیا گیا ہے۔

یہ تحقیق قرآن کریم کی سیکھنے کے میدان میں اختراعی پہلو کو آشکار کرتی ہے اور اس کی روشنی میں قرآن کے تربیتی مقام کو واضح کرتی ہے، جس کی مدد سے تربیتی طریقوں کو بہتر بنانے میں مؤثر مدد مل سکتی ہے۔

۱۔ مفہوم شناسی

اس تحقیق میں بحث میں داخل ہونے سے پہلے، مرکزی الفاظ جیسے: "احسان"، "تعلیم" اور "شاگرد-مدار تعلیمی ماڈل" کی تعریفوں کو نیچے بیان کیا گیا ہے۔

۱-۱-۱. احسان

احسان لغت میں "حسن" سے ماخوذ ہے، جو برائی کے مقابلے میں اچھائی اور نیکی کے معنی دیتا ہے[5]۔ "الحُسن" ہر وہ اثر ہے جو خوشی دینے والا ہو اور جس کی آرزو کی جائے۔ احسان کی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم: دوسروں پر بخشش اور انعام دینا جیسے "أَحْسِنْ إِلَى فُلَانٍ: اس سے نیکی کرو"۔ دوسری قسم: عمل میں احسان کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اچھی تعلیم حاصل کرے یا اچھا عمل کرے؛

---

[3] ر.ک. عابدی، ۲۰۱۹: ص ۱۸۸

[4] معرفت، ۲۰۱۰، ص ۳۱-۳۶

۵ فراہیدی، ۱۴۰۹ق، ج ۳، ص ۱۴۳

اور اسی بنیاد پر امیر المؤمنینؑ کا قول ہے: «النّاس أبناء ما يُحْسِنُون» [٦]؛ یعنی لوگ ان اچھے کاموں کی بنیاد پر پہچانے جاتے ہیں، جو وہ سیکھتے ہیں یا عمل کرتے ہیں۔ [٧]

"حسن، قبح کا مخالف اور اس کا نقیض ہے۔ حقیقت میں، مجھ پر احسان اس وقت ہوا جب مجھے جیل سے آزاد کیا گیا۔ عرب کہتے ہیں: میں نے فلاں سے نیکی کی اور فلاں سے برائی کی، اور کہتے ہیں: ہم پر نیکی کرو اور ہم پر برائی نہ کرو" [٨]۔ اصطلاحی تعریف میں ہے: "دوسروں کو اس طریقے سے نفع پہنچانا کہ وہ اس پر آپ کی تعریف اور ستائش کرنے لگیں" [٩] اور "جب ایمان، اطاعت اور تقویٰ تک پہنچ جائے اور تقویٰ بھی صبر کے ہمراہ ہو جائے، تو انسان احسان کی حالت تک پہنچتا ہے: (. مَنْ يَتَّقِ وَ يَصْبِرْ فَإِنَّ اللّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ) [١٠]؛ (اگر کوئی تقویٰ اختیار کرے اور صبر کرے تو اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔) وہ تقویٰ جو صبر کے ساتھ ہو، تجھے محسن بناتا ہے اور اللہ محسنین کے بدلے کو ضائع نہیں کرتا" [١١]۔ یعنی "آیت اور روایت کے مطابق، احسان تقویٰ سے بلند درجہ رکھتا ہے" [١٢]۔

چنانچہ، احسان دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے: الف) نیک عمل بجالانا؛ جیسے نماز پڑھنا، روزہ رکھنا اور حج کرنا۔ ب) دوسروں کے ساتھ نیکی کرنا یا ان کے مسائل حل کرنا۔ اس بنیاد پر، جو شخص نیک عمل لاتا ہے یا دوسروں کے ساتھ نیکی کرتا ہے، وہ محسن و نیک کہلاتا ہے [١٣]۔

۱-۲۔ تعلیم

تعلیم (instruction) کا مطلب ہے عمل میں سکھانا [١٤]، سکھانا، پڑھانا، تربیت [١٥] کسی چیز کو بار بار دہرانا تاکہ اس کا اثر طالب علم کے اندر، اس کے نفس پر پڑے [١٦]۔ اصطلاحاً سکھانے کیلئے، وہ سرگرمیاں جو پیشگی منصوبہ بندی کے تحت کی جاتی ہیں۔، یہ عمل باہمی تعاون [١٧] کے طور پر بھی انجام دیا جاتا ہے [١٨] (سیکھنے اور سکھانے والے کے درمیان) اس ذریعے، پائیدار اور مطلوب تبدیلی لانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

۲۔ شاگرد-مدار تعلیمی ماڈل (Learner Centered Education)

سب سے پہلے شاگرد-مدار تعلیمی ماڈل کو تعلیمی نفسیات کے نقطہ نظر سے اور پھر قرآنِ کریم کی روشنی میں بیان کیا جائے گا۔

---

٦ الکلینی، ١٣٦٥، ج١، ص ٤٨
٧ راغب، ١٣٧٤، ج١، ص ٤٨٩ و ٤٩٢
٨ ابن منظور، ١٤١٤ق، ج ١٣، ص ١١٤
٩ طوسی، بی تا: ١٣٨/٦
١٠ یوسف: ٩٠
١١ صفائی حائری، ١٣٩١، ص ٦٢
١٢ شعرانی، ١٣٩٨، ج١، ص ١٧٣
١٣ جوادی آملی، ٢٠١٦، ج ٤٠، ص ٢٩٥
١٤ ادہخدا، ٢٠١١/١٢، ج١، ص ٦٠
١٥ معین، ١٩٨٣/٨٤
١٦ راغب اصفہانی، ١٩٩٥: مادہ: ع ل م
١٧ Mutual Interaction
١٨ سیف، ٢٠١١، ص ٢

۱-۱-۲. شاگرد-مدار تعلیمی ماڈل، علم نفسیات تعلیم کی رو سے:

سکھانے والا (استاد) اور سیکھنے والا (طالب علم)، تعلیم و تربیت کے دو بنیادی عوامل ہیں۔ ان کے کردار کے پیشِ نظر، دو مختلف نمونے (ماڈلز) متعین کیے جاتے ہیں۔ اگر سکھانے والے کا کردار سیکھنے والے کے مقابلے میں زیادہ فعال ہو، تو اسے "استاد-مدار تعلیمی ماڈل" (Teacher Centered Education) کہا جاتا ہے۔ یہ زیادہ تر لیکچر کے طریقے سے چلایا جاتا ہے، سیکھنے والا سست ہوتا ہے۔ اور اگر سیکھنے والے شاگرد کا کردار سکھانے والے استاد کے مقابلے میں زیادہ فعال ہو، تو یہ "شاگرد-مدار تعلیمی ماڈل" ہے۔ اس نمونے میں، سیکھنے والا علمی مواد کو قریب سے سمجھتا ہے اور فطری طور پر تعلیمی نتائج تک پہنچنا آسان ہو جاتا ہے، اگرچہ اس قسم کے نمونے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اضافی صبر و تحمل کی ضرورت ہوتی ہے۔

"شاگرد-مدار تعلیمی ماڈل" تربیتی نفسیات کی ایک اصطلاح ہے کہ جس میں "طلباء استاد کی مدد سے علمی مواد کو سمجھنے اور اس کی تفہیم کی ذمہ داری خود اٹھاتے ہیں۔ اس کو غیر مستقیم تعلیم (In direct Education) بھی کہا جاتا ہے، جو ان اساتذہ کے لیے موزوں ہے جو علمی مواد کو طلباء کے اندر سے نکالنا چاہتے ہیں۔ مثال کے طور پر، یہ اساتذہ طلباء کو ایسے تجربات یا معلومات فراہم کرتے ہیں جن کی بنیاد پر وہ خود نتائج اخذ کر سکیں"[۱۹]۔

"سیکھنا اور علم حاصل کرنا محض رٹنے اور حفظ کرنے سے کہیں آگے کا عمل ہے۔ اس مقصد کے لیے کہ طلباء واقعی سمجھ سکیں اور اپنے علم کو عملی طور پر استعمال کر سکیں، ضروری ہے کہ وہ علمی مسائل حل کرنے پر کام کریں، خود مسائل کی تشخیص کریں، تحقیق کریں اور علمی تصورات کے ساتھ عملی طور پر بھی کام کریں"[۲۰]۔

تربیتی نفسیات میں شاگرد-مدار تعلیمی و تدریسی طریقوں کی تعداد بنیادی طور پر ۱۷ ہے، جو درج ذیل ہیں:

۱. "تحقیقی طریقہ (استاد کی نگرانی میں منظم اکادمک طریقہ)؛ ۲. شاگرد کو مسئلے سے روبرو کرنے کا طریقہ (طالب علم کو چیلنجز میں ڈالنا تاکہ اس کی سوچ کو تحریک ملے)؛ ۳. علم کو (شاگرد کی ذات سے) مربوط کرنا اور معنی خیز بنانے کا طریقہ (طالب علم میں مطلوبہ علم کے لیے تجسّس پیدا کرنا تاکہ وہ ذاتی دلچسپی سے آگے بڑھے)؛ ۴. باہمی گفتگو (گروپ ڈسکشن) کا طریقہ (مختلف آراء رکھنے والے افراد کے درمیان مکالمہ)؛ ۵. طالب علم کی سوچ بچار کی صلاحیت کو استعمال کرنے کا طریقہ (تحقیقی موضوعات اور متون کے سامنے مختلف سوچنے کے انداز اپنانا) ۶؛. اشتراکی طریقہ (طالب علموں کا ایک دوسرے کے ساتھ اور استاد کے ساتھ علمی تعاون، نیز تحقیقی گروپس کا باہمی اشتراک)؛ ۷. شاگردی کا طریقہ (ایک غیر ماہر طالب علم کو کسی زیادہ ماہر طالب علم کے ساتھ بٹھانا تاکہ اس کاروائی[۲۱] میں، وہ سیکھ سکے)؛ ۸. سائنسی دورے کا طریقہ (کلاس سے باہر تجرباتی اور عملی مطالعہ جس میں طالب علم براہِ راست مسئلے کا جائزہ لیتا ہے)؛ ۹. منابع و مراکز سے رجوع کرنے کا طریقہ (معلومات لینا اور ان کا تجزیہ کرنا)؛ ۱۰. خود تنظیمی کا طریقہ (طالب علم اپنے خیالات، جذبات اور رویوں کو منظم طور پر اپنے مقاصد کے حصول کی طرف ہدایت کرتا ہے)؛ ۱۱. خالص دریافت پر مبنی سیکھنے کا طریقہ (استاد نہ تو مسئلے کے تصورات و اصول بتاتا ہے اور نہ ہی حل، بلکہ طالب علم کو مکمل آزادی ہوتی ہے کہ وہ کسی بھی طریقے سے مسئلے کا حل دریافت کرے)؛ ۱۲. ہدایت شدہ دریافت کا طریقہ (استاد کے سوالات اور رہنمائی کی مدد سے طالب علم مطلب کو سمجھتا ہے)؛ ۱۳. اوپر سے نیچے کی

---

۱۹ سیف، ۲۰۱۱، ص ۵۲۴
۲۰ دیکھیں: اسلاوین، ۲۰۰۶، ص ۲۹۵
۲۱ process

تعلیم کا طریقہ (پیچیدہ کاموں یا مسائل سے شروع کرنا اور پھر طالب علموں کو انہیں حل کرنے دینا)؛ ۱۴. تشکیلی تشخیص کا طریقہ (طالب علم کا کام کرنا اور استاد کا اس کی ذہنی سطح کے مطابق رسمی یا غیر رسمی طریقوں سے تشخیص کرنا)؛ ۱۵. تجرباتی طریقہ (عملی تجربہ حاصل کرنا، عام طور پر لیب میں)؛ ۱۶. یونٹ کام یا پراجیکٹ کا طریقہ (کلاس سے باہر تحقیقی سرگرمی)؛ ۱۷. کانفرنس کا طریقہ (علمی موضوع کو پیش کرنا جس پر بحث ہوتی ہے)۔" [۲۲]

۲-۲-قرآن کریم میں، شاگرد-مدار تعلیمی ماڈل:

قرآن کریم میں سیکھنے والے شاگرد-مدار تعلیمی ماڈل استعمال ہوا ہے؛ لیکن نہ اس معنی میں جو علم نفسیات میں پایا جاتا ہے۔ علم نفسیات کی بنیاد انسان مداری پر ہے جس میں خالق کا تصور، ماورائی طریقے اور غیر مادی ذرائع جیسے روح، الہام، فرشتے وغیرہ شامل نہیں ہیں۔ جبکہ قرآن کریم میں شاگرد-مدار تعلیمی ماڈل اسلام، ایمان، تقویٰ اور تزکیہ نفس کے زیر اثر ایک بلند تر معنی اختیار کرتا ہے اور اپنے کمال کو پہنچتا ہے۔

ان طریقوں میں کچھ عمومی طریقے ایسے ہیں جو علم نفسیات اور قرآن کریم میں مشترک ہیں اور زیادہ تر ذہنی تصورات سے متعلق ہیں اور انسان کے پانچ حواس سے کام لیتے ہیں۔

۱-۲-۲-شاگرد-مدار تعلیمی ماڈل کے مشترک عمومی طریقے:

قرآن کریم میں سیکھنے والے کو سرگرم عمل کرنے کے لیے، متعدد تجرباتی طریقے استعمال کیے گئے ہیں، جن میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

۱. سوالات کا سامنا کرانے کا طریقہ (أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ) [۲۳]؛
"کیا یہ لوگ اونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے پیدا کیے گئے ہیں؟"

۲. مجمل بیان کا طریقہ: (أَقِمِ الصَّلَاةَ) [۲۴] "اے میرے بیٹے! نماز قائم کرو۔"

۳. مشاورتی اور گفت وشنید کا طریقہ: (وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ) [۲۵]؛ "اور اپنے معاملات باہمی مشاورت سے انجام دیتے ہیں۔"

۴. مشاہدے اور غور وفکر کے لیے عملی موقع فراہم کرنے کا طریقہ؛ (أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ) [۲۶]؛ "کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ دیکھ لیتے کہ ان سے پہلوں کا کیا انجام ہوا؟"

---

۲۲ سیف، ۲۰۱۳، ص ۲۳۰؛ شریعتمداری، ۲۰۱۱، ص ۱۱۱؛ کدیور، ۲۰۱۳، ص ۱۹۹؛ کاردان، ۲۰۱۱، ص ۲۷۲؛ سیف، ۲۰۱۱، ص ۵۳۴...؛ عابدی، ۲۰۱۹، ص ۱۷۵-۱۸۷)
۲۳ الغاشیہ: ۱۷
۲۴ لقمان: ۱۷
۲۵ الشوریٰ: ۳۸
۲۶ الروم: ۹

۵. مسئلے کے مطابق تحقیقی کام پر ابھارنے کا طریقہ: (يَا بَنِيَّ اذْهَبُوا فَتَحَسَّسُوا مِنْ يُوسُفَ وَأَخِيهِ)[27]؛" اے میرے بیٹو! جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو "

٦۔ منطقی دلائل کے ساتھ آرا کے تبادلے کا موقع فراہم کرنے کا طریقہ: (جَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ)[28]؛ "اور ان سے بہتر انداز میں بحث کریں"

۷- ہدایت شدہ دریافت کا طریقہ: (وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ..)[29]؛"اور (وہ واقعہ یاد کرو) جب ابراہیم نے کہا تھا: میرے رب! مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے"

۸- مسئلہ یا سوال پیش کرکے ،اس کا حل، سیکھنے والے کی ذمہ داری پر چھوڑنے کا طریقہ (تقابلی) (هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمَاتُ وَالنُّورُ)؛[30]؛ "کہہ دیجئے: کیا بینا اور نابینا برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا تاریکی اور روشنی برابر ہو سکتی ہیں؟"

۹- علمی مصادر کی طرف رجوع کرنے کا طریقہ: (فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ)[31] "پس انسان کو اپنے طعام کی طرف نظر کرنی چاہیے"

۱۰-شاگردی کا طریقہ: (لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ)[32] " بتحقیق تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے"

اور دیگر طریقے جو تفصیل کے ساتھ اپنی جگہ پر بیان کیے گئے ہیں۔[33]

-۲-۲-۲ قرآن کریم میں شاگرد-مدار تعلیمی ماڈل کے مخصوص طریقے (احسان)

قرآن کریم تمام انسانوں کی عمومی ہدایت کے لیے نازل ہوا ہے (هُدًى لِّلنَّاسِ)[34]، لیکن بعض آیات میں خاص طبقات کے لیے اپنی خصوصی ہدایت کو بھی رکھا ہے؛ جیسے متقین[35]، مومنین[36] اور محسنین[37]۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ عام لوگوں میں "اس طبقہ نے خدا کی خصوصی اور اعلیٰ

۲۷یوسف:۸۷
۲۸النحل:۱۲۵
۲۹البقرہ:۲۶۰
۳۰الرعد:۱۶
۳۱عبس:۲۴
۳۲الاحزاب:۲۱
۳۳ملاحظہ کریں: عابدی، ۲۰۱۹، ص۱۸۷
۳۴البقرہ:۱۸۵
۳۵البقرہ:۲
۳۶البقرہ:۹۷
۳۷لقمان:۳

درجات کی ہدایت کے حصول کی زیادہ صلاحیت اپنے اندر پیدا کی ہے"[۳۸]۔ انسان اپنے اندر جتنی زیادہ صلاحیت پیدا کرے گا، اتنی ہی زیادہ، الٰہی ہدایت اس کا مقدر بنے گی: "اور ہر شخص کے لیے اس کے اعمال کے مطابق درجات ہوں گے اور آپ کا رب لوگوں کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔""[۳۹]۔ ان میں احسان کو اعلیٰ ترین مقام حاصل ہے۔

ہم اس موضوع کو اس آیت اور قرآن کی دیگر آیات کے مطالعہ سے مزید سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

الف) سورہ یوسف (ع) میں احسان اور الٰہی علم کی عنایت کے درمیان تعلق

احسان اور علم و حکمت کے درمیان باہمی تعلق قرآن کی متعدد آیات میں واضح ہے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ احسان اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت کا سبب بنتا ہے، جو بعض اوقات علم و حکمت کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔

محدودیت کے پیش نظر، یہاں صرف سورہ یوسف کی چند منتخب آیات پیش کی جا رہی ہیں۔

(وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ)[٤٠]"؛ (اور جب یوسف اپنی جوانی کو پہنچے تو ہم نے انہیں علم اور حکمت عطا کی اور ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیا کرتے ہیں۔)

اس آیت میں چار اہم نکات زیر بحث ہیں: -(آتَيْنَاهُ) (-(حُكْمًا) -(عِلْمًا) -(محسنين) -(كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ)

ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

(آتَيْنَاهُ:)

یعنی "ہم نے اسے عطا کیا"۔ یہ ایک غیر مرئی اور غیر تجربی طور پر اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے۔ ظاہری طور پر یوسفؑ نے خود سمجھا ہوگا، لیکن آیت واضح کرتی ہے کہ یہ اللہ کی خاص عطا تھی۔ یہ ان دیکھی اور پس پردہ حقیقتیں ہیں۔ جیسا کہ قارون کے بارے میں آیا ہے کہ اس نے کہا: (قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِندِي) (قارون نے کہا: یہ سب مجھے اس مہارت کی بنا پر ملا ہے جو مجھے حاصل ہے)"[٤١]، حالانکہ درحقیقت یہ اللہ کی طرف سے تھی۔ زمخشری لکھتے ہیں: "چونکہ حضرت یوسفؑ عمل میں نیک اور جوانی میں پرہیزگار تھے، اس لیے وہ اللہ کی خاص توجہ کے مستحق ٹھہرے، اور اسی خوبی کی وجہ سے اللہ نے انہیں حکمت اور علم عطا فرمایا"[٤٢]۔

۳۸ملاحظہ کریں: معرفت، بغیر تاریخ، ج۳، ص۲۱۴
۳۹الانعام: ۱۳۲
۴۰یوسف: ۲۲
۴۱القصص: ۷۸
۴۲ملاحظہ کریں: زمخشری، ۱۴۰۷ھ، ج۲، ص۴۵۴

(حکم) (حکمت):

"حکمت، علم سے مختلف ہے۔ علم تو محض جاننا ہے، جبکہ حکمت ایک بصیرت ہے جو انسان کو حق تک پہنچاتی ہے"[٤٣]۔ نیز یہ "روکنے" کے معنی میں بھی ہے، اسی لیے اسے حکمت کہتے ہیں کیونکہ یہ جہالت کو روکتی ہے[٤٤]۔

"حکم سے مراد وہ الٰہی حکمتیں (عملی) اور حکیمانہ کلمات وآثار ہیں، جیسا کہ لقمان کو عطا کی گئی حکمت: (وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ)[٤٥]؛ (اور بتحقیق ہم نے لقمان کو حکمت سے نوازا کہ اللہ کا شکر کریں)"[٤٦]۔

"جب فرمایا: (آتَيْنَاهُ حُكْماً) تو لغت کی کتابوں کے مطابق [حکم] ہر معاملے میں فیصلہ کن اور حق بات کہنے کے معنی میں ہے، نیز شک وتردید کو دور کرنے کے معنی میں بھی ہے ان امور میں جو اختلاف کا شکار ہوں۔ اس کا لازمہ یہ ہے کہ تمام انسانی معارف میں، خواہ وہ ابتداء خلقت سے متعلق ہوں یا آخر (معاد) سے... حکمت رکھنے والے کو درست اور قطعی رائے کا مالک ہونا چاہیے۔ اور سورہ یوسف کی آیت ۴۰-۴۱ (إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ)؛ (اقتدار تو صرف اللہ ہی کا ہے)(قُضِيَ الْأَمْرُ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِيَانِ) : (جو بات تم دونوں مجھ سے دریافت کر رہے تھے اس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔) سے سمجھ آتا ہے کہ یہ حکم جو اللہ نے یوسفؑ کو دیا تھا درحقیقت اللہ کا ہی حکم تھا، یعنی یوسفؑ کا حکم اللہ کا حکم تھا"[٤٧] جو پروردگار کی طرف سے حضرت یوسفؑ کے احسان، ہوشیاری اور سیلف کنٹرول کی وجہ سے ان پر نازل ہوا تھا۔

حکم دراصل علم کو موضوع پر منطبق کرنا ہے۔ یہ کہ فلاں موضوع پر کوئی حکم لاگو ہوتا ہے یا نہیں؟ اس میں علماء کے درمیان اختلاف ہو سکتا ہے۔ علمی اعتبار سے دو افراد ایک چیز کو تسلیم کر سکتے ہیں، لیکن عملی طور پر، اس کے اطلاق و نفاذ میں ان کے درمیان اختلاف رائے پیدا ہو سکتا ہے۔

علم:

علم کو "کسی چیز کی حقیقت کو پا لینے" کا نام دیا گیا ہے[٤٨]۔ سورہ بقرہ آیت ۱۵۱ میں ہے: " (وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُواْ تَعْلَمُونَ) ؛ (اور تمہیں ان چیزوں کی تعلیم دیتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔)۔ اس سے مراد "خاص دانش اور مخصوص معرفت" ہے[٤٩]۔

---

۴۳ راغب اصفہانی، ۱۹۹۵، ج۱، ص ۵۲۸
۴۴ ابن فارس، ۱۴۲۲ھ، ج ۲، ص۹۱
۴۵ لقمان: ۱۲
۴۶ جوادی آملی، ۲۰۱۶، ج ۴۰، ص ۲۹۲
۴۷ طباطبائی، ۱۹۹۵/۹۶، ج۱۱، ص۱۵۹
۴۸ راغب، ۱۳۷۴، ج ۲، ص ۶۳۴
۴۹ جوادی آملی، ۲۰۱۶، ج ۴۰، ص ۲۹۲

حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: " علم محض سیکھنے سے حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ ایک نور ہے جو اس شخص کے دل میں قرار پاتا ہے جسے اللہ تبارک وتعالیٰ ہدایت دینا چاہے۔ اگر تم علم چاہتے ہو تو پہلے اپنے نفس میں بندگی کی حقیقت تلاش کرو، اور علم کو اس پر عمل کرکے حاصل کرو، اور اللہ سے سمجھ مانگو تو وہ تمہیں سمجھ عطا فرمائے گا..." [٥٠]۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن و روایات میں علم کو محض ظاہری معلومات کا ذخیرہ نہیں سمجھا گیا، بلکہ یہ ایک الہام شدہ نور ہے جو تقویٰ، بندگی اور عمل صالح کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ یہ وہ خاص علم ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے محسن و نیک و سخی و مہربان بندوں کو عطا فرماتا ہے، جیسا کہ حضرت یوسفؑ کے واقعہ میں بیان ہوا ہے۔

علامہ طباطبائیؒ سورہ یوسف کی آیت ۲۲ کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"اور جب حکم کے بعد فرمایا: 'اور علم'، تو چونکہ یہ وہ علم ہے جو اللہ نے اسے عطا کیا ہے، یقیناً یہ جہالت سے مخلوط نہیں ہے۔ اب یہ کس نوعیت کا علم ہے اور کس مقدار میں ہے، ہمیں اس سے غرض نہیں۔ جو کچھ بھی ہے، یہ خالص علم ہے اور نفسانی خواہشات یا شیطانی وسوسوں سے آلودہ نہیں۔ کیونکہ یہ معقول نہیں کہ یہ جہالت یا نفسانی خواہشات سے مخلوط ہو، جبکہ اسے اللہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور دینے والے کو اللہ قرار دیا گیا ہے۔ [٥١]

فخر رازی بھی حضرت یوسفؑ کو عطا کردہ علم کی نوعیت کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں:

"یوسفؑ کو جو علم عطا کیا گیا، وہ ایسا علم ہے جس میں جہالت کی کوئی گنجائش نہیں۔ بعض اسے 'دینی علم' یا 'نظری دانش' یا 'عالم ملکوت کے قدسی انوار' قرار دیتے ہیں جو انسان کے دل پر تاباں ہوتے ہیں"۔ [٥٢] چنانچہ، وہ علم جو ہر قسم کے احسان اور نیک عمل کی تمہید ہے، وہ "علم حصولی" [٥٣] ہے۔ لیکن جو علم محسنین کو عطا کیا جاتا ہے، وہ ایک خاص قسم کا الٰہی علم ہے اللہ کی خاص عنایت اور نور سے عبارت ہے۔ [٥٤]

محسنین:

اصل لفظ "محسنین" "حسن" یا "احسان" سے ماخوذ ہے، جو افعال کے باب سے ہے۔ الفاظ "حُکماً وَعِلْماً" اور "الْمُحْسِنِینَ" کا ایک ساتھ ذکر ان کے درمیان گہرے تعلق کی نشاندہی کرتا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ احسان، علم کے حصول کا سبب و علت ہے۔

آیت اللہ جوادی آملی، حکم کے علم پر مقدم ہونے کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

---

٥٠ طبرسی، ۱۴۲۳ھ، ج ۲، ص ۳۲۱

٥١ طباطبائی، ۱۹۹۵/۹۶، ج ۱۱، ص ۱۵۹

٥٢ ایضاً اور فخر رازی، بیتا، ج ۱۸، ص ۴۵۶

٥٣ وہ علم جو عام رائج طریقوں (مطالعہ، مشاہدہ، تجربہ) سے حاصل کیا جاتا ہے

٥٤ علم لدنی: وہ خاص علم جو اللہ کی طرف سے بطور موہبت عطا ہوتا ہے

"(آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا)[۵۵]:

بے شک! بعض لوگ علم حاصل کرنے، حلال و حرام، خوبصورت و بد صورت، صحیح و غلط کو جاننے کے بعد نفس کی اصلاح، پاکیزگی اور تربیت و ادب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں؛ لیکن کچھ لوگ تزکیہ، طہارت و اصلاح نفس، کے بعد علم حاصل کرتے ہیں اور عالم بنتے ہیں، اور اس راستے سے حاصل ہونے والا علم زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔ حضرت یوسفؑ نے اسی راستے سے علم حاصل کیا۔ انہوں نے بے شمار آزمائشوں اور مصیبتوں پر صبر کیا، اور اللہ نے ان پر علم کے دروازے کھول دیے۔"[۵٦]

لہٰذا، خلوص کے ساتھ احسان اور نیکی کرنا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے محسنین کو علم و حکمت عطا ہونے کا سبب بنتی ہے۔

(وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ) ؛ (اور ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیا کرتے ہیں) ؛

خداوند متعال نے حضرت یوسفؑ کو ان کے احسان، نیکی، مہربانی اور اچھے سلوک کی صفت کی وجہ سے خاص علم عطا فرمایا۔ یہ اللہ کے سنتوں میں سے ہے جو صرف انبیاءؑ تک محدود نہیں، بلکہ ایک عمومی اصول ہے جو تمام نیک مومنین پر لاگو ہو سکتا ہے۔ انبیاءؑ کے علاوہ بھی، دیگر نیک طلباء اور سیکھنے والوں پر اللہ کی حکمت اور علم کی عطا کو کئی طریقوں سے سمجھا جا سکتا ہے:

الف) پہلی آیت میں صراحتاً یہ قاعدہ بیان ہوا ہے: (وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ)؛ (اور ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیا کرتے ہیں) ۔

لفظ (كَذَلِكَ) (اسی طرح ...) خاص توجہ کا مستحق ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کو ان کے محسن ہونے کی وجہ سے علم و حکمت سے نوازا، اسی طرح وہ دیگر نیکوکاروں کو بھی جو احسان کی صفت رکھتے ہوں، علم و حکمت عطا فرمائے گا۔

یہ اللہ تعالیٰ کا ایک مسلمہ اصول ہے جو صرف انبیاء تک محدود نہیں، بلکہ ہر اس بندے پر لاگو ہوتا ہے جو اخلاص کے ساتھ نیکی کی راہ پر چلے۔ اس آیت میں "كَذَلِكَ" کا استعمال بتاتا ہے کہ یہ ایک مستقل سنت الٰہی ہے جو ہر زمانے میں محسنین کے لیے جاری رہتی ہے۔

ب) " قاعدہ بطن " کو بروئے کار لاتے ہوئے، آیت میں بیان شدہ خاص جزئیات سے صرف نظر کرتے ہوئے، ایک قاعدہ اخذ کیا جا سکتا ہے، اور وہ یہ ہے:

"ہر مومن انسان جو خالصتاً اللہ کی رضا کے لیے بندوں پر احسان کرتا رہے، اللہ تعالیٰ اپنے خاص علم سے اسے رزق عطا فرماتا ہے۔" یعنی جو شخص مقامِ احسان تک پہنچ جائے اور محسن بن جائے، وہ اللہ کی طرف سے عطا کردہ علم (آتَيْنَاهُ) کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

---

۵۵ یوسف: ۲۲
۵٦ جوادی آملی، ۲۰۱٦، ج ۴۰، ص ۲۹۴

یہ قاعدہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ احسان محض ایک اخلاقی خوبی نہیں، بلکہ ایک روحانی مقام ہے جو انسان کو الٰہی علوم کے حصول کی اہلیت بخشتا ہے۔ جیسا کہ حضرت یوسفؑ کے واقعے میں دیکھا جاسکتا ہے، ان کے احسان اور صبر کے بدلے میں اللہ نے انہیں خاص علم سے نوازا۔ اسی طرح ہر وہ شخص جو اخلاص کے ساتھ اللہ کی راہ میں احسان کرتا ہے، وہ بھی اس رحمت الٰہی کا مستحق بن سکتا ہے۔

یہ بات قرآن کے اس اصول پر مبنی ہے کہ (مَن جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِّنْهَا) ؛ (جو شخص نیکی لے کر آئے گا اسے اس سے بہتر اجر ملے گا)[57]۔ احسان کرنے والوں کے لیے یہ "بہتر جزا" کبھی ظاہری شکل میں ہوتی ہے تو کبھی باطنی علم و حکمت کی صورت میں۔

ب) احسان اور الٰہی علم کے باہمی تعلق کے بارے میں، مفسرین کے اقوال:

"یہ الٰہی نوازشیں اور عطایا جو کبھی کبھی بعض لوگوں کو عطا کی جاتی ہیں، بلاوجہ نہیں ہوتیں۔ بلکہ وہ افراد جنہیں یہ علم و حکمت دی جاتی ہے، ان کی ذات اور نفس بہت مختلف ہوتے ہیں۔ دوسرے نفوس (ممکن ہے) خطاکار، تاریک اور جاہل ہوں، جبکہ یہ نفوس ایسے نہیں ہوتے (پاکیزہ زمین اپنی پیداوار اپنے رب کے حکم سے نکالتی ہے، جبکہ ناپاک زمین سے سوائے ناموزوں چیز کے کچھ نہیں نکلتا)[58]۔[59]

(وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ)؛ (اور اسی طرح ہم نیکوکاروں کو جزا دیتے ہیں)[60]۔

اس آیت میں تشبیہ کا پہلو یہ ہے کہ جس طرح ہم نے یوسفؑ کو جزا دی، اسی طرح دوسرے نیک و پرہیزگار لوگوں کو بھی جزا دیں گے[61]۔ تفسیر نمونہ میں بھی اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

"یہ حکم اور یہ علم جو یوسفؑ کو دیا گیا تھا، کوئی ابتدائی عطا نہیں تھی، بلکہ انہیں ان کے نیک، متقی و مہربان ہونے کے صلے میں دیا گیا تھا۔ بعید نہیں کہ اس سے یہ بھی مستفاد ہو کہ اللہ تعالیٰ یہ علم و حکمت تمام نیکوکاروں کو عطا فرماتا ہے، البتہ ہر شخص کو اس کی نیکی، بھلائی، مروت اور مہربانی کے بقدر ملتا ہے"[62]۔

آیت اللہ جوادی آملی لکھتے ہیں:

«قرآن کریم انسان کو دی جانے والی اللہ کی نعمتوں میں سے بعض کو اس کے پچھلے نیک اعمال کا نتیجہ سمجھتا ہے: (وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ.) حضرت یوسفؑ کو حکمت اور علم دینے والی نعمت ان کے پچھلے نیک اعمال جیسے کہ ان کا صبر اور صبر و تحمل کنوئیں میں اور ان کے امتحانات میں ثابت قدم رہنے کا بدلہ ہے۔

---

۵۷ النمل: ۸۹
۵۸ الاعراف: ۵۸
۵۹ طباطبائی، ۱۹۹۵/۹۶، ج۱۱، ص۱۵۹
۶۰ یوسف: ۲۲
۶۱ ابوالفتوح رازی، ۱۴۰۸ھ، ج۱۱، ص۴۲
۶۲ مکارم شیرازی، ۱۳۷۱ھ، ج۹، ص۳۶۵

یہ تعبیر عام ہے؛ یعنی اس قسم کے انعامات ہر اچھے، محسن، نیک، پاک دامن، صالح، سخی اور کریم انسان کے لیے ہیں اور یہ صرف حضرت یوسفؑ کے بارے میں نہیں ہے۔ جو شخص بھی اللہ کے امتحانات میں اپنی مرضی سے حق کے راستے پر چلتا ہے اور اللہ کے حکم کی اطاعت کرتا ہے اور نفسانی خواہشات کے سامنے تسلیم نہیں ہوتا، اللہ کی مدد اس کے راستے میں شامل ہو گی [٦٣]۔» [٦٤]

اللہ کی عمومی سنت یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کی کوششوں کو ضائع نہیں کرتا: (وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى) [٦٥]؛ (اور یہ کہ انسان کو صرف وہی ملتا ہے جس کی وہ سعی کرتا ہے)۔ اسی طرح قرآن مجید نے اللہ کی عنایات سے استفادہ کرنے کے لیے ایک اہم عامل جہاد کو قرار دیا ہے اور اس میں فرمایا: (وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ) [٦٦]؛ (اور جو ہماری راہ میں جہاد کرتے ہیں ہم انہیں ضرور اپنے راستے کی ہدایت کریں گے اور بتحقیق اللہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔) اور (وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ) [٦٧]؛ (ور اللہ اس کی ضرور مدد فرمائے گا جو اس کی مدد کرے گا)۔

علامہ مصباح یزدیؒ جہاد کے وسیع مفہوم کی وضاحت پر فرماتے ہیں:

«اللہ کی مدد صرف فوجی میدان تک محدود نہیں ہے۔ آج کے دور میں اللہ کی مدد ثقافتی میدانوں میں فوجی میدان سے زیادہ اہم ہے۔ جو اللہ فوجی محاذ پر ہے، وہی اللہ تعالیٰ یونیورسٹی اور مدرسہ کا بھی ہے اور جیسے وہ محاذ پر، دل و جان سے محنت کرنے والے فوجیوں کو غیبی مدد پہنچاتا ہے، ویسے ہی ثقافتی محاذ پر بھی اگر لوگ خلوص کے ساتھ کام کریں گے تو اللہ ان کو غیبی مدد دے گا۔ بعض اوقات ان کے ذہن میں خیالات آتے ہیں، چمکدار خیالات آتے ہیں اور انہیں عالم غیب سے الہام ملتا ہے، بعض اوقات ان کی محنتوں اور مشکلات کی وجہ سے مسائل ان کے ذہن میں آتے ہیں جو ہزاروں جسمانی محنت اور بیرونی وسائل سے حاصل نہیں ہوتے۔ بہر حال، اللہ کی مختلف رنگوں اور قسموں کی غیبی مدد اور اس کی نصرت ایک حقیقت ہے اور ہمیں اللہ کے وعدے پر یقین رکھنا چاہیے: (إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ) [٦٨]؛ " اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا۔" ـــ ہم اس وعدے کی عمومی اور اطلاقی حقیقت پر یقین کرنا چاہیے۔» [٦٩]

نتیجے کے طور پر، احسان وہ عامل ہے جو طالب علم کو علم الہی تک پہنچاتا ہے؛ اس لیے ہمیں «احسان، نیکی، بھلائی، اچھائی اور سخاوت مندی والا نیک اور صالح بندہ بننا چاہیے؛ تاکہ اللہ کی خاص انعامات کے قابل بنیں۔ جو شخص علمی اور جسمانی قوت رکھتا ہو، وہ اللہ کی رحمت کا مستحق نہیں ہوتا، بلکہ محسن، نیک، متقی اور پرہیزگار ہونا بھی ضروری ہے۔" [٧٠]۔ یہ اس کو علم کے جدید نتائج تک پہنچائے گی اور علمی مسائل کے حل میں اس کی مدد کرے گی

---

٦٣ اللیل/٥-٧
٦٤ جوادی آملی، ٢٠١٦، ج ٤٠، ص ٢٩٥
٦٥ النجم: ٣٩
٦٦ عنکبوت: ٦٩
٦٧ حج: ٤٠
٦٨ محمد: ٧
٦٩ مصباح یزدی، ٢٠١٥، ص ٣٢
٧٠ قرائتی، ٢٠٠٩/١٠، ج ٤، ص ١٧٩

اس آیت میں موجود الفاظ، پہلی آیت کی طرح ہیں اور پہلے آیت کے ذیل میں ان پر بات کی گئ تھی، اور اب دوسری آیت کی تفسیر اور اس کا تربیتی پہلو بیان کیا جاتا ہے۔

اس آیت میں بھی علم اور احسان کے درمیان تعلق دکھائی دیتا ہے۔ قید سے رہائی پانے والا، حضرت یوسفؑ سے اپنے خواب کی تعبیر چاہتا ہے اور حضرت یوسفؑ کے پاس جانے کی وجہ کو ان کے محسن اور نیک ہونے کو ذکر کرتا ہے۔(نَبِّئْنَا بِتَأْوِيلِهِ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ) [۷۱]؛ [ہمیں اس کی تاویل بتادیجئے، یقینا ہمیں آپ نیک انسان نظر آتے ہیں۔)

نکتہ : قیدیوں کے حضرت یوسفؑ کی طرف رجوع کرنے کی وجہ کے بارے میں دو احتمالات ہیں:

پہلا احتمال: "محسن" سے مراد عام نیک، متقی، پرہیزگار اور اچھا انسان ہونا ہے جو دوسروں کے ساتھ بھی بھلائی کرتا ہے۔

دوسرا احتمال: یہاں "محسن" سے مراد محض عالم ہونے سے بڑھ کر ماہر فن ہونا ہے (یہ معنی روایات میں بھی استعمال ہوا ہے)۔ یہ صرف جاننے سے بالاتر درجہ ہے۔ "(نَبِّئْنَا بِتَأْوِيلِهِ) /ہمیں اس کی تعبیر بتائیں" کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ قیدی حضرت یوسفؑ کے پاس اس لیے آئے کہ وہ دیکھ رہے تھے کہ آپ خوابوں کی تعبیر میں ماہر ہیں۔ [۷۲]

تجزیہ:

ایسا لگتا ہے کہ اس آیت میں، دونوں احتمالات درست اور باہم مل سکتے ہیں۔ یوسفؑ ایک پیغمبر زادہ تھے, جن کا نفس و باطن پاکیزہ، مہذب، تربیت یافتہ اور اخلاقی کمالات سے آراستہ تھا۔ اس بلند شخصیت کے علاوہ، وہ دوسروں کے ساتھ بھلائی اور مہربانی کرنے والے بھی تھے (جیساکہ روایات میں آیا ہے کہ وہ مخلوق خدا کے لیے بھلائی کے جذبات رکھتے تھے)۔ ان دو خوبیوں یعنی نیک ہونا اور سخاوت مندی کے ساتھ ساتھ وہ دوسروں کے خیر خواہ، مشاورت دینے والے راہنما بھی تھے، خاص طور پر خوابوں کی تعبیر کے ماہر۔ یہی وجہ تھی کہ قیدی ان کے پاس آئے اور خوابوں کی تعبیر پوچھی۔ البتہ, بظاہر پہلا مفہوم مراد ہے کیونکہ دیگر آیات میں (ہم نیکو لوگوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں) یہی خوابوں کی تعبیر کا علم اللہ کی طرف سے حضرت یوسفؑ کو ان کی نیکی کا صلہ مل سکتا ہے۔

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت یوسفؑ صفتِ احسان کے حامل تھے اور علم سے بھی بہرہ ور تھے۔ اس قیدی کے حضرت یوسفؑ سے مکالمے سے بھی احسان اور علم کے درمیان تعلق کا پتا چلتا ہے۔ حضرت یوسفؑ میں صفتِ احسان بہت نمایاں تھی؛ کیونکہ:

اوّلاً: قیدی نے "محسن" (اسم فاعل) کا استعمال کیا، جو اس صفت کے ثابت اور مستقل ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔

---

۷۱ یوسف: ۳٦

۷۲ طوسی، التبیان، بیتا، ج٦، ص۱۳۸؛ طبرسی، بیتا، ج۵، ص۳۵٦؛ جوادی آملی، ۲۰۱٦، ج۴۰، ص۴۹۱-۴۹۳

ثانیاً: چونکہ قیدی نے علمی سوال کیا تھا، فطری طور پر کہنا چاہیے تھا: "ہم تمہیں علما میں سے دیکھتے ہیں"، لہٰذا ہمارے سوال کا جواب دو؛ لیکن اس نے ایسا نہیں کہا، بلکہ کہا: "ہم تمہیں محسنوں (اچھے اور نیک و مہربان انسانوں) میں سے دیکھتے ہیں"۔ اس نے "احسان" جیسے عام لفظ کو استعمال کیا جس کے متعدد مصادیق میں سے ایک "تعلیم" بھی ہے۔

حضرت علیؑ کا فرمان ہے: "قِيمَةُ كُلِّ امْرِئٍ مَا يُحْسِنُهُ"؛[73] "ہر انسان کی قدر و قیمت اس چیز کے مطابق ہے جسے وہ اچھی طرح سے انجام دیتا ہے (یا اس کا علم رکھتا ہے، یا علم و عملِ صالح دونوں، یا احسان و نیکی۔"

یہ دلیل قابلِ مشاہدہ ہے؛ کیونکہ جب کوئی انسان کسی چیز کا خواہشمند ہوتا ہے اور کسی ایسے فرد سے سامنا ہوتا ہے جس میں اس مطلوبہ شے کی علامات نظر آتی ہیں، تو وہ سمجھتا ہے کہ وہ فرد اس چیز کا مالک ہے اور اس کی ضرورت کو پورا کر سکتا ہے۔ مثلاً، ایک فقیر اگر کسی شخص کو قیمتی لباس یا مہنگی گاڑی میں دیکھے تو اس کے مالدار ہونے کا اندازہ لگا لیتا ہے۔ اسی طرح دیگر امور میں بھی۔ یا دینی سوال رکھنے والا یا کوئی روحانی و نفسیاتی مشکل والا شخص جب کسی کو عمامہ، عبا و قبا وغیرہ میں دیکھتا ہے تو سمجھ جاتا ہے کہ یہ عالم دین ہے؛ لہٰذا اس سے اپنے سوال پوچھتا ہے۔ چنانچہ، اسی بنیاد پر، مزید چیزیں فرض کی جا سکتی ہیں۔

ظاہراً، جیل میں بھی یہی طبیعی سلسلہ پیش آیا۔ جب وہ قیدی، جنہوں نے خواب دیکھا تھا اور اس کی تعبیر جاننا چاہتے تھے، حضرت یوسفؑ میں ایسی خوبیاں دیکھتے تھے جیسے: تقویٰ، پرہیزگاری، حکمت آمیز گفتگو، محبت و شفقت... تو یہ سب ان پر اثر انداز ہوا۔ دوسری جانب چونکہ حضرت یوسفؑ اچھے اور نیک انسان تھے اور محبت و ہمدردی کے ساتھ، دوسروں کو تعلیم دیتے تھے[74]، یہی سبب بنا کہ وہ قیدی ان کے پاس تعبیر خواب کے لیے گئے۔ وہ یہ دیکھتے تھے کہ حضرت یوسفؑ ان کی طرح یا عام مجرموں جیسے بد تمیز و نافرمان نہیں ہیں، بلکہ ایک صالح، عبادت گزار، علم دوست، در گزر کرنے والے اور نیکی کرنے والے (محسن) انسان ہیں؛ لہٰذا، انہوں نے اپنی مشکل کے حل کے لیے انہی کی طرف رجوع کیا۔ لہٰذا، احسان سے مراد حضرت یوسفؑ کی شفقت اور بلند حوصلہ کے ساتھ تعلیم دینے کی خصوصیت ہے، کیونکہ انبیاء (ع) ہدایت کے لیے آئے تھے اور سب سے پہلے خود انہیں اعلیٰ کریمانہ اخلاق کا حامل ہونا چاہیے۔ اس آیت (یوسف: ۳۶) میں احسان کی ایک عملی نمونہ "درست مشورہ دینا" ہے۔ پاکیزہ نفس اور مہربان شخصیت والے لوگوں کی جانب دوسرے رجوع کرتے ہیں، اور اگر وہ عالم ہوں تو صحیح رہنمائی کرتے ہیں۔

اس لیے علمی سوال پوچھنے کے لیے "محسنین" کا لفظ استعمال کرنا اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ احسان اور علم کے درمیان ایک ایسا تعلق ہے جو "وجہ اور اثر"[75] کی نوعیت کا ہے۔ مذکورہ آیات پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ خاص علم و دانش صرف انبیاءِ الٰہیؑ ہی کے لیے مخصوص نہیں، بلکہ دوسروں کو بھی عطا کیا جاتا ہے۔

۳۔ احسان کی مثالیں:

۷۳۔ بحار الانوار، علامہ مجلسی، ج ۱، ص ۱۶۵

۷۴۔ مدرسی، ۱۴۱۹ق، ج ۵، ص ۱۸۰

۷۵۔ Cause and effect

اب یہ واضح ہو چکا ہے کہ احسان تعلیم وتربیت و سیکھنے کے عمل میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ مناسب ہے کہ ہم دیکھیں کہ احسان کی کیا مثالیں ہیں؟اس موضوع کو قرآن اور احادیث کی روشنی میں جاننے کی کوشش کی جائے گی۔

۱-۳-قرآن کریم میں احسان کی مثالیں:

قرآن میں احسان کے عملی نمونے آئے ہیں ان میں کچھ، انسان کی اندرونی اچھائی کو ظاہر کرتے ہیں جیسے :گناہوں سے دور رہنا- چاہے ماحول کتنا ہی آلودہ کیوں نہ ہو[٧٦]، اللہ کے حکم کی اطاعت کرنا[٧٧]، توبہ کرنا[٧٨]، غصہ پی جانا اور درگزر کرنا[٧٩]، مشکلات برداشت کرنا، نبی اکرم (ص) کی اطاعت کرنا اور انہیں خود پر ترجیح دینا، حق پر چلنا چاہے کفار کے غصہ کا باعث بنے[٨٠]، خالصانہ فی سبیل اللہ بھرپور کوشش کرنا[٨١]، حق کو پہچاننا، اس پر ایمان لانا اور ثابت قدمی کی دعا کرنا[٨٢]، سچائی پر ثابت قدم رہنا[٨٣]، فساد سے دوری اور خوف وامید کے ساتھ دعا کرنا[٨٤]، اللہ کی رضا کی خاطر، اپنی محبوب ترین چیز قربان کرنے کے لیے تیار رہنا[٨٥]، اپنی خدائی ڈیوٹی انجام دینا: خطرات کے باوجود، طاغوت کو اللہ کی طرف بلانا[٨٦]، تقویٰ الٰہی کی راہ پر استقامت[٨٧]، قیدیوں کو آزاد کرانا، صلح کرانا، شیطان کی چالوں کو ناکام بنانا[٨٨]، اللہ کی راہ میں انفاق کرنا

اسی طرح سے قرآن میں، احسان کی عملی نمونے ہیں جو خدمت خلق سے متعلق ہیں جیسے : صبر کے ساتھ دوسروں کو تعلیم دینا اور ان کے افکار کو بیدار کرنا تاکہ وہ شرک اور بت پرستی سے دور ہوں[٨٩]، خالص خدا کی رضا کیلئے تعلیم دینا[٩٠]، معاشرتی مسائل کے حل کے لیے اپنی صلاحیتیں پیش کرنے میں پیش قدم ہونا[٩١]، اپنی استطاعت کے مطابق ہدیہ دینا[٩٢]، اللہ کی راہ میں انفاق کرنا[٩٣]، واجب جہاد میں شرکت کرنا[٩٤]، سخاوت، حقوق العباد ادا کرنا، اچھی مہمان نوازی[٩٥]

---

[٧٦] یوسف: ۲۳-۵۶
[٧٧] الاعراف: ۱۶۱
[٧٨] آل عمران: ۱۴۶-۱۴۸
[٧٩] آل عمران: ۱۳۴
[٨٠] التوبہ: ۱۲۰
[٨١] العنکبوت: ۶۹
[٨٢] المائدہ: ۸۳-۸۵
[٨٣] الزمر: ۳۳-۳۴
[٨٤] الاعراف: ۵۵
[٨٥] الصافات: ۱۰۰-۱۰۵
[٨٦] الصافات: ۱۱۴-۱۲۱
[٨٧] المرسلات: ۴۱-۴۴
[٨٨] یوسف: ۱۰۰
[٨٩] الانعام: ۷۴-۸۴
[٩٠] خالص خدا کی رضا کیلئے تعلیم دینا
[٩١] یوسف: ۲۳-۵۶
[٩٢] البقرہ: ۲۳۶
[٩٣] البقرہ: ۱۹۵
[٩٤] آل عمران: ۱۴۶-۱۴۸
[٩٥] یوسف: ۵۸-۷۸

۲-۳-روایات میں احسان کی چند مثالیں

روایات میں احسان (نیکی) کی کئی صورتوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔

۱- **تعلیم دینا**: حضرت علیؑ فرماتے ہیں: "العلم یزکو علی الانفاق"؛[۹۶] "علم سکھانے سے پاکیزہ ہوتا ہے اور بڑھتا ہے"۔ اصلاح، پختگی اور علمی ترقی کا باعث ہے

۲- **اپنے علم پر عمل کرنا**: حضرت امام باقرؑ فرماتے ہیں: "من عمل بما یعلم علمه الله ما لم یعلم"؛ "جو شخص اپنے علم کے مطابق عمل کرے گا، اللہ اسے وہ علم عطا فرمائے گا جو وہ نہیں جانتا"۔[۹۷]

۳- **صدقہ دینا**: امام رضاؑ فرماتے ہیں: "مُرِ الصَّبِیَّ فَلْیَتَصَدَّقْ بِیَدِہِ..."؛ بچے کو حکم دو کہ اپنے ہاتھ سے صدقہ دے، چاہے روٹی کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو"۔[۹۸]

۴- **دیگر موارد**: - خود قرضہ لے کر، کسی دوسرے محتاج کی ضرورت کو پورا کرنا، کمزور انسان کی مدد کرنا، مجلس میں جگہ بنانا، بیماروں کی تیمارداری کرنا، درگزر کرنا، علمی مدد فراہم کرنا[۹۹]

نکتہ: احسان کچھ مراحل پر مشتمل ہے۔ احسان کا پہلا مرحلہ، انسان ایک ذاتی اور داخلی مسئلہ ہے جو دوسرے مرحلہ میں بعد میں بیرونی دنیا میں ظاہر ہوتا ہے۔

وہ داخلی مرحلہ اللہ تعالیٰ پر ایمان و یقین ہے- اللہ کو حاضر و ناظر سمجھنا اور پھر اللہ کے لیے کام کرنا۔ جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے "احسان" کی تعریف میں فرمایا:

"الاحسان ان تعمل لله کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانه یراک"؛ "احسان یہ ہے کہ تو اللہ کے لیے اس طرح کام کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے، اور اگر تو اسے نہیں دیکھتا (تو جان لے کہ) وہ تجھے دیکھ رہا ہے"۔[۱۰۰] یہی احسان کی حقیقی روح ہے!

چنانچہ، جہاں احسان "الی" کے ساتھ آیا ہے وہاں دوسروں کے ساتھ نیکی مراد ہے۔- جہاں اکیلا احسان آیا ہے اسے اس حدیث پر لاگو کیا جاسکتا ہے[۱۰۱]

---

۹۶ حرانی، ۱۳۸۲، ص ۲۸۰
۹۷ المجلسی، ۱۴۰۳ق، ج ۷۵، ص ۱۸۹
۹۸ الکلینی، ۱۳۶۵، ج ۴، ص ۱۰
۹۹ الکلینی، ۱۳۶۵، ج ۲، ص ۶۳۷؛ القمی، ۱۴۲۸ق، ص ۲۸۰؛ یوسف: ۳۶ و ۵۹
۱۰۰ مجلسی، ۱۴۰۳، ج ۶۷، ص ۱۹۶
۱۰۱ شعرانی، ۱۳۹۸، ج ۱، ص ۱۷۳

احسان کے نمونوں پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سیکھنے والا اس کاروائی میں فعال کردار ادا کرتا ہے۔ ان نمونوں میں سے کچھ فرد کے باطنی پاکیزگی، تربیت اور نیک ہونے سے متعلق ہیں، جبکہ کچھ، دوسروں کے ساتھ مہربانی اور حسن سلوک سے تعلق رکھتے ہیں۔ روایات کی رو سے، محسنین کی بعض صفات ان کی شخصیت کی داخلی خوبیاں ہیں جیسے اپنے علم پر عمل کرنا، خدا کو حاضر و ناظر جاننا۔ اور بعض صفات معاشرتی ہیں جیسے: تعلیم، مشاورت، راہنمائی، بچوں کو صدقہ اور نیکوکاری کی تربیت دینا، خود قرضہ لے کر، کسی محتاج کی ضرورت کو پورا کرنا، کمزوروں کی امداد کرنا، بیماروں کی دیکھ بھال کرنا، معاف کرنا

شاگرد- محور تعلیمی ماڈل میں احسان کے اثرات کو واضح کیا جاتا ہے، جہاں ٹیچر، سرپرست و مربی کی ذمہ داری زمین ہموار کرنا، بنیادی ڈھانچہ فراہم کرنا، مدد کرنا، نگرانی کرنا، ترقی کا جائزہ لینا اور سیکھنے والے کی حوصلہ افزائی کرنا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ سیکھنے والا شاگرد خود اپنی کوششوں سے علم حاصل کرے، اس پر عمل کرے،، اور مخلوق خدا کے ساتھ مہربانی اور خیر خواہی کا رویہ اپنائے۔ اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق مضبوط بنائے۔

سیکھنے والے کو بھی تعلیم و تربیت کے عمل و پراسس میں اپنے کردار کا احساس ہونا چاہیے اور اسے بہترین طریقے سے نبھانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اللہ سے تعلق، ایمان، تقویٰ، اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنا اور مخلصانہ مہربانی اسے رفتہ رفتہ، احسان کے مقام تک پہنچاتی ہے اور خدا کی جانب سے الہام اور خاص ہدایت حاصل کرنے کی صلاحیت پیدا کرتی ہے۔

امام خامنہ ای اخلاص کے بارے میں فرماتے ہیں:

"یہ کہ انسان چاہے کہ اس کی تعریف کی جائے، شیطان کے لئے، بہترین مواقع میں سے ہے جس سے وہ فائدہ اٹھاتا ہے۔ شیطان آتا ہے اور نیک، اچھے اور باتقوا محسنین کے احسان اور بھلائی کو ختم کر دیتا ہے، یعنی وہ نیکیوں، خوبصورتیوں اور روحانی کمالات واخلاق کو تم سے چھین لیتا ہے۔" [102]

نتیجہ:

قرآنِ کریم میں تربیتی نفسیات [103] سے کہیں بڑھ کر، شاگرد —مدار تعلیمی طریقے ہیں۔ قرآن میں رائج طریقوں کے علاوہ، اخلاقی-روحانی طریقوں پر بھی زور دیتا ہے جو انسان کو حقیقی علم تک پہنچاتے ہیں، جیسے: تقویٰ [104]، ایمان [105]، احسان [106]۔ اس تحقیق میں، تعلیم و تربیت میں، خاص طور پر "احسان" کے کردار کو پرکھا گیا۔ خالص احسان ربانی الہام کے لیے زمینہ ساز بن سکتا ہے۔ یہ کیفیت اُن باکمال افراد میں دیکھی گئی جو علم کے ساتھ ساتھ احسان سے بھی آراستہ تھے، اور جن کے ذریعے بعض اوقات علمی اختراعات بھی وجود میں آئیں۔ روایات میں اس ضمن میں جو اعمال بیان

---

[102] رہبر معظم، حسینی خامنہ ای، کابینہ کے اراکین سےملاقات میں بیانات" (۲۰۰۵/۱۰/۹) https://khl.ink/f/۳۳۱۳

[103] Educational Psychlogy

[104] البقرہ: ۲۸۲

[105] الکہف: ۱۳

[106] یوسف: ۲۲

کیے گئے ہیں، ان میں شامل ہیں: اللہ تعالیٰ سے خالص تعلق، عبادت و بندگی، تقویٰ، مریض کی عیادت، اخلاص سے تعلیم دینا، قیدی کو آزاد کرنا، دشمنوں کے ظلم سے روکنا، لوگوں کے درمیان صلح کروانا، اور دیگر انسان دوستانہ اقدامات۔

اس تحقیق کو دیگر تحقیقات سے ممتاز بنانے والی بات یہ ہے کہ یہ مادی نکتہ نظر پر مبنی موجودہ تعلیمی نظام کو روحانی -اخلاقی پہلو کے ساتھ متوازن کرنے پر زور دیتی ہے۔ اساتذہ اور طالب علموں کو یاد دہانی کرواتی ہے کہ: "خالص عبادت، تقویٰ، صبر اور بے لوث نیکی، ربانی علم کے رزق کا ذریعہ بنتے ہیں۔" لہٰذا، تعلیمی عمل میں یہ اصول شامل ہونا چاہیے کہ اسٹوڈنٹس کو خالص بندگی، احسان اور اللہ کے بندوں سے نیکی کرنے کی طرف راغب کیا جائے، تاکہ وہ ظاہری علم کے ساتھ باطنی بصیرت اور الہامی حکمت سے بھی بہرہ مند ہو سکیں۔

چنانچہ، احسان ایک جامع تصور ہے جو باطنی طہارت و تربیت، تزکیہ، تہذیب نفس، اپنے علم پر عمل، اللہ سے تعلق اور مخلوق خدا کے ساتھ، فی سبیل اللہ، حسن سلوک اور بھلائی پر مشتمل ہے۔ احسان باعث بنتا ہے کہ تعلیم وتربیت میں، احسان پر فائز شاگرد عام رائج علوم و فہم سے مزید اعلی مرحلہ پر جائے؛ یعنی خدا کی طرف سے خاص ہدایت کا مستحق ٹھہرے۔

کتابیات

○ قرآن کریم، ترجمہ: محسن علی نجفی، بلاغ القرآن، پاکستان، اسلام آباد، ویب سائٹ، www.balaghulquran.com/balaghulquran.php،۲۰۲۵

۱. ابن زکریا، ابی حسین احمد بن فارس، معجم مقاییس اللغۃ، محقق: اصلان، انسہ فاطمہ محمد اور مرعب، محمد عوض۔ لبنان، بیروت، داراحیاء التراث العربی، ۲۰۰۱

۲. ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب، تیسرا ایڈیشن، لبنان، بیروت، دار صادر، ۱۹۹۳

۳. اسلاوین، رابرٹ ای، تعلیمی نفسیات، مترجم: یحیٰی سید محمدی، آٹھواں ایڈیشن، تہران، روان، ۲۰۰۶

۴. برومند، سید مہدی، قرآن وسنت میں تدریس کے طریقے، پہلا ایڈیشن، رشت، کتاب مبین پبلیکیشنز، ۲۰۰۹

۵. جعفر صادق (ع)، حدیث عنوان بصری، مترجم: صداقت، سید اکبر، دوسرا ایڈیشن، قم، راز بان پبلیکیشنز، ۲۰۰۷

۶۔ جوادی آملی، عبداللہ، تسنیم، جلد ۴۱ اور ۴۲، پہلا ایڈیشن، قم، اسراء پبلیشنگ سنٹر، ۲۰۱۶

۷۔ حرانی، ابن شعبہ، تحف العقول عن آل الرسول (ص)، ترجمہ و تحقیق: صادق حسن زادہ، پہلا ایڈیشن، ایران، قم، آل علی (ع) پبلیکیشنز، ۲۰۰۳

۸- دہخدا، علی اکبر، دہخدا میڈیم ڈکشنری، دوسرا ایڈیشن، تہران یونیورسٹی پبلیکیشنز، ۲۰۱۱

۹-. رازی، ابوالفتوح، روض الجنان وروح الجنان فی تفسیر القرآن، پہلا ایڈیشن، مشہد، آستان قدس رضوی، اسلامی ریسرچ فاؤنڈیشن، ۱۹۸۷

۱۰۔ راغب اصفہانی، حسین، قرآن کے الفاظ کی لغت، ترجمہ و تحقیق: غلام رضا خسروی حسینی، دوسرا ایڈیشن، تہران، مرتضوی، ۱۹۹۵

۱۱. زمخشری، محمود بن عمر، الکشاف، تیسرا ایڈیشن، لبنان، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۹۸۶

۱۲. سیف، علی اکبر، جدید تعلیمی نفسیات، بارہواں ایڈیشن، چھٹی نظر ثانی، تہران، دوران، ۲۰۱۱

۱۳. ---------، ساتویں نظر ثانی، چھٹا ایڈیشن، تہران، دوران، ۲۰۱۳

۱۴۔ شریعتمداری، علی، تربیتی اور علمی مراکزِ تعلیم کی رسالت، پانچواں ایڈیشن، قم، سمت، ۲۰۱۱/۱۲

۱۵۔ شعرانی، ابوالحسن، نثر طوبی، کتاب فروشی اسلامیہ، تہران، ۱۹۷۸/۷۹

۱۶۔ صفائی حائری، بہار رویش، قم، لیلۃ القدر، ۲۰۱۲/۱۳

۱۷۔ ---------، حرکت، دوسرا ایڈیشن، قم، لیلۃ القدر، ۲۰۰۷/۰۸

۱۸۔ طباطبائی، سید محمد حسین، المیزان فی تفسیر القرآن، ترجمہ: محمد باقر موسوی ہمدانی، پانچواں ایڈیشن، قم، دفتر نشر اسلامی، ۱۹۹۵/۹۶

۱۹۔ طبرسی، علی بن حسن، مشکاۃ الانوار فی غرر الاخبار، پہلا ایڈیشن، ایران، قم، مؤسسہ آل البیت لاحیاء التراث، جلد ۲، ۲۰۰۲/۰۳

۲۰۔ طبرسی، فضل بن حسن، مجمع البیان، مترجم: حسین نوری ہمدانی و دیگر، پہلا ایڈیشن، تہران، فراہانی، بغیر تاریخ۔

۲۱۔ طوسی، محمد بن حسن، التبیان فی تفسیر القرآن، لبنان، بیروت، دار احیاء التراث العربی، بغیر ایڈیشن و تاریخ۔

۲۲۔ عابدی، سید شعیب حیدر، قرآن کریم اور تعلیمی نفسیات کے تناظر میں تعلیمی ماڈل (استاد-مدار و شاگرد مدار) کا تجزیہ و تطبیق، ڈاکٹریٹ کا تھیسز، رہنمائی: محمد رضا موسوی نسب، مدرسہ عالی قرآن و علوم، جامعۃ المصطفیٰ (ص) العالمیہ، قم، ۲۰۱۹

۲۳۔ علی بن ابراہیم قمی، تفسیر قمی، تحقیق: شیخ محمد الصالحہ، پہلا ایڈیشن، ایران، قم، ذوی القربی، ۲۰۰۷/۰۸

۲۴. فخر رازی، تفسیر کبیر (مفاتیح الغیب)، لبنان، بیروت، مکتب تحقیق دار احیاء التراث العربی، بغیر تاریخ۔

۲۵۔ فَراہیدی، خلیل بن احمد، کتاب العین، دوسرا ایڈیشن، قم، نشر ہجرت، ۱۹۸۸.

۲۶۔ قرائتی، محسن، تفسیر نور، پہلا ایڈیشن، تہران، مرکز فرہنگی درس ہایی از قرآن، ۲۰۰۹/۱۰

۲۷۔ کاردان، علی محمد، تعلیمی علوم: اس کی نوعیت اور دائرہ کار، کئی مصنفین کے ساتھ، زیر نظر: کاردان، پانچواں ایڈیشن، تہران، سمت، ۲۰۱۱/۱۲

۲۸۔ کدیور، پروین، سیکھنے کی نفسیات: نظریہ سے عمل تک، پہلا ایڈیشن، تہران، سمت، ۲۰۱۳/۱۴

۲۹. کلینی، محمد بن یعقوب، الکافی، تصحیح: محمد آخوندی و علی اکبر غفاری، تہران، دار الکتب الاسلامیہ، ۱۹۸۶/۸۷

۳۰۔ مجلسی، محمد باقر، بحارالانوار، دوسرا ایڈیشن، لبنان، بیروت، داراحیاء التراث العربی، ۱۹۸۲

۳۱۔ مدرسی، سید محمد تقی، من ہدی القرآن، پہلا ایڈیشن، ایران، تہران، دار محبی الحسین، ۱۹۹۸

۳۲۔ مصباح یزدی، محمد تقی، قرآن شناسی، تحقیق و تحریر: غلام علی عزیزی کیا، جلد دوم، چھٹا ایڈیشن، قم، مؤسسہ آموزشی وپژوہشی امام خمینی (قد)، ۲۰۱۵

۳۳۔ معرفت، محمد ہادی، علوم قرآنی، گیارہواں ایڈیشن، قم، تمہید، ۲۰۱۰

۳۴۔----------، التمہید (پرانا ایڈیشن)، ۶ جلدیں، قم، پہلا ایڈیشن، جماعۃ المدرسین، مؤسسہ النشر الاسلامی، بغیر تاریخ۔

۳۵۔ حسینی خامنہ ای، سید علی (مقام معظم رہبری)، [ویب سائٹ](https://farsi.khamenei.ir/)۔

filename: ShagirdMadar Taleemi ModelMay۲۰۲۵